حفاظتِ حدیث کا تکوینی اہتمام

اسباب و ذرائع

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (القرآن الحکیم)

(از افادات قدوۃ المحققین حضرت مولانا حافظ محمد صاحب مدظلہم العالی ۔ شیخ الجامعۃ السلفیہ لائلپور)

(۳)

(سلسلہ کے لیئے دیکھئے رحیق جنوری ۱۹۵۸ء)

منکرینِ حدیث کی پرویز پارٹی اور ثقافت پارٹی کا یہ پراپیگنڈہ ہے کہ حدیث کے الفاظ بھی محفوظ نہیں اور مطالب میں بھی بہت گڑبڑ ہے، اس سے وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں، کہ اب حدیثوں سے آزاد ہو کر قرآن کی آڑ میں اسلامی فقہ کو بدل دینا چاہیئے۔

حضرۃ الاستاذ نے "مقامِ حدیث" پر تنقید کے ایک حصے میں اس پر مدلل تحریر فرمایا ہے کہ حدیث کے الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے راویانِ حدیث کے ذریعہ محفوظ فرمایا اور معانی و مدلولات کو فقہاء حدیث اور مجتہدین کے ذریعے اس لیئے اب کسی تبدیلی کی کوشش خطرناک ہے، اصولِ فقہ میں گہری بصیرت ہو تو موجودہ دور کے مشکلات کے حل کے لیئے قرآن و حدیث و فقہ اسلامی کافی ہے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں (رحیق)

۷ ۔ آئمہ اجتہاد کی مساعی دورِ اول کے مجتہدین امتِ محمدیہ کی کوششوں کو بھی احادیث کے یاد رکھنے اور دین کے ردّ و بدل سے محفوظ رہنے میں بہت دخل ہے ـــــ اور اسے حفاظتِ حدیث کا ساتواں سبب سمجھنا چاہیئے ـــــ

اجتہاد کا کام اگرچہ عہد نبوی ہی میں شروع ہو گیا تھا، اور فقہائے صحابہ کے اجتہاد نے دین کی بنیاد رکھی مگر بعد میں اس کے لیئے باقاعدہ درس گاہیں بھی قائم ہو گئیں، تابعین کے زمانے میں خاص مدینہ منورہ میں فقہائے سبعہ۔

ا؎ فقہائے سبعہ کے حالات رحیق میں شائع ہو رہے ہیں سعید بن مسیب، عروہ کے بعد خارجہ بن زید کے لیئے آئندہ اشاعت کا انتظار فرمایئے

حضرت سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابو بکر بن عبدالرحمان، سالم بن عبداللہ عبیداللہ بن عتبہ کے نام سے اہل حدیث کی ایک مقتدر جماعت موجود تھی۔ جن کے ہاں فقہائے صحابہ کے فتاوی و علوم جمع تھے، ان سات فقہائے حدیث کے علوم و فتاوی پر امام مالک کی فقہ کی بنا ہے[1] ۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے بعد ان ہی کے اقوال پر اپنے اجتہاد کی بنیاد استوار کی ہے۔ اسی طرح دارالاسلام کے ہر شہر میں تابعین فقہاء پائے جاتے تھے۔ جو اصحابہ کے شاگرد تھے۔ ان کے بعد امام مالکؒ نے مدینہ منورہ میں یہ کام کیا پھر اسی نہج پر امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ میں، امام سفیان نے مکہ شریف میں، امام اوزاعی نے شام میں اسی طرح دوسرے ائمہ نے مختلف امصار میں یہ خدمت سرانجام دی تاآنکہ حضرت امام شافعی نے فقہ و استنباط کے قرآن و سنت پر مبنی اصول و قواعد مرتب کر دیئے جو ان دونوں کو عملی صورت دینے کے لئے بنائے گئے تھے۔ حضرت امام کا الرسالہ[2] سب سے پہلی کتاب ہے جو اس سلسلے میں تدوین میں آئی حضرت امام نے اس میں فقہ و استنباط کے لئے سنت کا علم ضروری قرار دیا ہے کیونکہ اس مبارک عہد کے اجماعی فیصلے کی رو سے سنت دوسرا شرعی ماخذ قانون ہے۔ آٹھویں صدی کے ایک مالکی عالم امام ابراہیم شاطبی حفاظت شریعت کے اسباب پر بحث کے دوران میں لکھتے ہیں۔ وبعث اللہ من ھؤلاء سادۃ فھموا عن اللہ وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستنبطوا احکاما فھموا معانیھا من اغراض الشریعۃ فی الکتاب والسنۃ تارۃ من نفس القول وتارۃ من معناہ وتارۃ من علۃ الحکم حتی نزلوا الوقائع التی لم تذکر علی ما ذکر وسھلوا لمن جاء بعدھم طریق ذلک وھکذا جری الامر فی کل علم توقف فھم الشریعۃ علیہ او احتیج فی ایضاحھا الیہ وھو عین الحفظ الذی تضمنتہ الادلۃ انتھی۔ (موافقات ص۱۱ ج ۲)

---

[1] جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے۔ [2] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ (ص ۱۴۶ ج ۱) میں امام شافعیؒ کے الرسالہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ ھذا اول تدوین کان فی اصول الفقہ۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اس ثابت شدہ حقیقت پر بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں ——

حضرت امامؒ کا الرسالہ متعدد دفعہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ چند ہی سال ہوئے مصر کے اہلحدیث عالم استاذ احمد محمد شاکرؒ نے بڑی محنت سے اس کو مرتب کر کے مع نفیس تعلیقات، اعلیٰ طباعت قریباً ... صفحات پر شائع کیا ہے (رحیق)

اصول فقہ سے دین کس طرح محفوظ ہو گیا احادیث صحیحہ کے بالاجماع متعین ہو جانے سے دین کی محفوظیت پر ہم مختصر مگر مدلل بحث اوپر کر چکے ہیں اب مختصراً یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ اصول فقہ واستنباط سے دین کے محفوظ ہونے کی نوعیت کیا ہے۔ علمائے اصول فقہ کے ہاں قرآن پاک واحادیث وفتاوی سلف کے گہرے مطالعے اور تنقیح وتحقیق کے بعد یہ قرار پایا ہے کہ شریعت کے مقاصد کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں

(۱) وہ مقاصد جن کے بغیر دنیوی فلاح اور اخروی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی وہ نہ ہوں تو دین ودنیا کی سب مصلحتیں ہی فوت ہو جائیں نہ دنیا کا نظام درست رہے نہ آخرت کا اور دنیا کی زندگی بگاڑ کی وجہ سے بانج ہو جائے، یا بالکل ختم اور آخرت میں انسان نعمتوں سے محروم ہو کر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائے ایسے مقاصد کو **ضروریہ** کہتے ہیں۔ اور یہ ضروری مقاصد یہ ہیں۔ حفظ دین، حفظ جان، حفظ عقل، حفظ نسل ونسب حفظ مال، پھر یہ ایسے امور ہیں کہ ہر ملت میں ان کی حفاظت مقصود اور اس کے لئے قوانین ہوتے ہیں۔

(۲) وہ امور جن کی مقاصد ضروریہ کے حصول میں سہولت اور ان کی تکمیل میں آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے حاجت پیش آتی ہے اگر وہ نہ ہوں تو ایسی تنگی وضیق اور حرج ومشقت کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جو مقاصد ضروریہ کے رہ جانے کا باعث بن سکتے ہیں ——— اس قسم کے امور کو حاجیات کہتے ہیں۔

(۳) وہ چیزیں جن کو مکارم اخلاق ومحاسن عادات سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کو تحسینیات کہا جاتا ہے۔ اب ان کی مزید تھوڑی سی تفصیل کی جاتی ہے:۔

ضروری مقاصد کی حفاظت دو صورتوں میں کی گئی ہے:۔ (۱) وجودی حیثیت سے اس طرح کہ ان کے تعمیر وتحفظ کے لئے ایسے امور کا پایا جانا ضروری ہے جو بمنزلہ عمود وارکان کے ہوں مثلاً اصول عبادات ——— ایمان باللہ، اقرار توحید ورسالت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ ——— ایسے امور ہیں جن کے بغیر نہ دین کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ اس کی حفاظت۔ بنابریں دین کے محفوظ رہنے کے لئے ان کا وجود ضروری ہے۔ یا مثلاً اصول عادات ——— کھانا پینا، لباس، جائے رہائش وغیرہ ——— ایسی چیزیں ہیں جو حفظ جان وعقل کے لئے بمنزلہ ستون ہیں۔ جن کے بغیر نہ جان

محفوظ رہ سکتی ہے نہ عقل۔ یہی حال اصول معاملات (خرید و فروخت، نکاح وغیرہ) کا ہے مثلاً ملکیتوں کا تبادلہ، بامعاوضہ ہو یا بلا عوض، چاہے ان کا تعلق منافع کے ساتھ ہو یا اشیاء و ابضاع (ازدواجی امور) کے ساتھ۔ یہ بھی ایسے کام ہیں جن کا وجود نہ صرف حفظ مال و نسل کے لئے نہایت ہی ضروری ہے بلکہ جان اور عقل کی حفاظت بھی ان سے ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کہ معاملات کا تعلق دوسرے انسانوں سے ہوتا ہے۔

(۲) اس کے علاوہ ایسی چیزوں سے بچانا ضروری ہے جو مقاصد ضروری کے لیے نقصان دہ، ان میں خلل انداز اور ان کے راستے میں رکاوٹ ہوں مثلاً جرائم ——— مرتد ہو جانا، خون ناحق، شراب نوشی، زنا، غصب، چوری، ڈاکہ وغیرہ ——— کا تدارک نہ کیا جائے تو نہ دین محفوظ رہ سکتا ہے نہ جان و مال و عقل۔ کیونکہ ارتداد حفظ دین کی راہ ہیں، خون ناحق جان کی حفاظت کے لئے۔ شراب نوشی حفظ عقل کی راہ میں، ارتکاب زنا حفظ نسل کی راہ میں، غصب و سرقہ و ڈکیتی حفظ مال کی راہ میں سخت رکاوٹیں ہیں۔ لہٰذا ان کا استیصال اور مقاصد ضروریہ کے حصول کے لیئے ان کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن و سنت نے ارتداد کی سزائے قتل سے دین کی حفاظت کی ہے۔ قصاص و دیات خون ناحق کو روکنے کے لئے۔ شراب نوشی کی حد کی تشریع سے عقل کی حفاظت مقصود ہے تو زنا کی حد سے نسل کی۔ چوری کی سزا ہاتھ کاٹ دینا اور دوسرے مالی نقصانات کے تاوان، جرمانے وغیرہ حدوں اور سزاؤں سے مال کا تحفظ پیش نظر ہے۔

مقاصد حاجیہ کا تعلق عبادات، عادات، معاملات اور جرائم سب سے ہے مثلاً عبادات میں مسافر و مریض کے لئے جو رخصتیں مشروع کر دی گئی ہیں، ان سے مقصد یہ ہے کہ سفر یا مرض کی وجہ سے عبادات کے ادا کرنے میں جو تکلیف پیش آ سکتی ہے، اس کو دور کرنے کی ممکن آسانی پیدا کر دی جائے اگر یہ سہولت نہ دی جاتی تو بعض صورتوں میں عبادات کی ادائیگی میں بڑی تکلیفات کا سامنا کرنا پڑتا ظاہر ہے کہ اس سے حفظ دین کے مقصد کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسی طرح عادات میں جو مباح چیزیں ہیں۔ جیسے شکار، کھانے پینے پہننے سواری کرنے وغیرہ عمدہ چیزوں کے استعمال کا جواز، ایسے ہی معاملات میں مضاربت (کسی سے روپیہ لے کر حصہ پر کام کرنا)، بیع سلم (پیشگی رقم لے کر وقت و نرخ معین پر جنس کا سودا) مساقات (پھلوں کی بٹائی) وغیرہ کا مقصد تنگی و دشواری کو دور

کرنا ہے تاکہ حفظِ مال کا ضروری مقصد تکمیل کو پہنچے۔ اسی طرح جرائم میں قسامہ (قاتل کے متعین نہ ہونے کی صورت میں اجتماعی جرمانہ کی ایک صورت (الدیۃ علی العاقلہ ؛ قتل خطا میں جدی برادری پر خون بہا کی صورت میں اجتماعی جرمانہ) اور صنعت کاروں پر بعض تاوان وغیرہ سب امور اسی لئے رفعِ حرج کے لئے مشروع ہیں تاکہ آسانی سے مفاسد کی روک تھام ہو سکے ——— حاصل[۱] یہ کہ مقاصدِ ضروریہ کے حصول میں سہولت پیدا ہونے اور ان میں تکمیل کے لئے مقاصدِ حاجیہ ایک ذریعہ ہیں۔ نیز[۲] یہ کہ مقاصدِ حاجیہ کا فقدان اگرچہ براہ راست امورِ خمسہ ——— حفظِ دین[۱]، حفظِ جان[۲]، حفظِ عقل[۳]، حفظِ نسل[۴]، حفظِ مال[۵] ——— پر اثر انداز نہیں ہوتا، لیکن بالواسطہ ہو سکتا ہے۔

مقاصدِ تحسینیہ | یعنی مکارمِ اخلاق کا اختیار کرنا اور اخلاقِ رذیلہ و عاداتِ خبیثہ سے بچنا۔ مثلاً عبادات میں نجاست دور کرنا، سترِ عورت، زینت لگانا، نفلی عبادت اور صدقات سے ملکاتِ قدسیہ اور تقربِ الٰہی کی تحصیل۔ اور عادات میں آدابِ اکل و شرب، آدابِ نشست و برخاست، آدابِ گفتگو، ان باتوں میں افراط و تفریط سے پرہیز وغیرہ اور معاملات میں نجس و گندی چیزوں، ضرورت سے زائد پانی اور گھاس کی بیع سے ممانعت، عورت کو کسی قسم کے منصب اور ولایت سے الگ رکھنا وغیرہ اور جنایات میں جہاد میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اور گوشہ نشین درویشوں کے قتل کی ممانعت ——— ان سب امور کا تعلق مکارمِ اخلاق سے ہے۔

تکمیلی امور | علاوہ ازیں چند امور ایسے بھی ہیں جن سے مذکورہ بالا تینوں مقاصد ——— ضروریہ[۱]، حاجیہ[۲]، تحسینیہ[۳] ——— تکمیل پاتے ہیں۔ مثلاً

(۱) ضروریہ کا تکملہ یا تتمہ بننے والے چند امور یہ ہیں :-

(جرت اور نفقہ میں مثل کا لحاظ رکھنا، اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کی ممانعت، نشہ پیدا کرنے والی تھوڑی شئے کے استعمال کی حرمت، ربا کی ممانعت، مشتبہ چیزوں سے احتراز، دین کے شعائر کا اظہار جیسے نماز باجماعت پڑھنا، جمعہ کا انتظام، گروی رکھنا، ضامن کا مقرر کرنا وغیرہ ——— یہ سب کام ضروریہ میں تکمیل کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۲) جو امور حاجیات کا تکملہ یا تتمہ ہیں، ان کی چند مثالیں یہ ہیں :-

نابالغہ کے نکاح میں مناسب رشتہ (کفو) اور مہر مثل کا لحاظ، سفر میں اور بعض وقت بیماری

ہیں دو نمازوں کا جمع کرنا وغیرہ۔

(۳) وہ امور جو تحسینیات یعنی تکمیل کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض بطورِ مثال یہ ہیں:۔

: پائخانہ، پیشاب کے آداب، وضو، وغسل کے مستحبات، حلال وطیب مال سے خرچ کرنا، قربانی، عقیقہ، غلاموں کو آزاد کرنا وغیرہ ——— پھر یہ بھی بات ہے کہ حاجیات، ضروریات کا تتمہ ہیں اور تحسینیات، حاجیات کا تکملہ گو مصالح کا اصل مقاصد ضروریہ ہی ہیں۔

اس بنا پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی ایسا امر جو تکمیلی حیثیت رکھتا ہو، اسے یہ پوزیشن نہیں دی جانی چاہیئے کہ اس سے اصل پر کوئی خراب اثر پڑے یعنی اگر کسی جگہ تکمیلی مصلحت کی وجہ سے اصلی مصلحت کے رہ جانے کا خدشہ ہو تو مصلحتِ اصلیہ مقدم ہونی چاہیئے۔ چنانچہ نماز ہی کو لیجئے۔ اس میں اتمامِ ارکان کا تعلق تکمیل وتتمہ سے ہے لیکن نفس اس کا ادا کرنا ضرورت اصلیہ۔ اگر مریض کے لئے تکمیلی کو ضروری قرار دیا جائے گا تو نماز رہ جائے گی یعنی تکمیلی کا لحاظ کرنے سے اصل فوت ہوگیا لہٰذا اس کا لحاظ نہ کرکے مسئلہ یہی ہے کہ جس طرح ممکن ہو مریض نماز ادا کرلے۔ اتمام ارکان نہ ہوسکے، نہ سہی، اور یہی حال نماز میں سترِ عورت کا ہے یا مثلاً جان کا بچانا زیادہ اہم ہے اور مروت کا خیال رکھنا مستحسن ——— چونکہ پلید چیزوں کی حرمت مروت کی بنا پر ہے۔ اس لئے اگر کسی وقت نجاست کے استعمال سے جان بچتی ہو، تو اس وقت اس کے استعمال کی اجازت ہوگی۔ علیٰ ہٰذا تجارت ضرورتِ اصلیہ ہے اور اس میں دھوکہ، جہالت سے بچنا تکمیلی امر ہے اگر ہر جہالت کی بالکل ممانعت کردی جائے تو خرید و فروخت کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ اسی لئے ہر قسم کی جہالت سے بچنا تجارت میں شرط نہیں ہے۔ ۳ مثلاً مزدوری کرنا ایک امر ضروری یا کم از کم ایک اہم شے ہے، جسکو حاجی کہہ سکتے ہیں لیکن لین دین میں دونوں طرف "عوض" کا حاضر ہونا ایک تکمیلی امر ہے لیکن بیع کے اندر تو یہ بات ہوسکتی ہے چنانچہ بیع سلم کے علاوہ معدوم کی بیع منع کی گئی ہے مگر مزدوری میں چونکہ معاملہ طے کرتے وقت "محنت" کا حاضر کرنا غیر ممکن ہے اس لیے مزدوری میں "محنت" کے وجود میں آنے سے پہلے ہی معاملہ طے کرنے کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح ۴ مرد و عورت کے ازدواجی تعلقات اور علاج معالجہ کیلئے پردہ کے بارے میں تخفیف کردی گئی ——— یہی وجہ ۵ ہے کہ ظالم و فاسق امیر کے ساتھ ہوکر کافروں سے جہاد میں

شمولیت ضروری ہے۔ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔ کیونکہ جہاد ضروریات سے ہے اور امیر میں عدالت کی شرط تکمیلی ہے۔ اگر تکمیلی امر کو ترجیح دینے سے اصل ہی کا بطلان لازم آتا ہو تو تکمیلی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک ارشاد بھی مروی ہے اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا (ابوداؤد وھو حدیث ضعیف)

مقاصد ضروریہ اصل ہیں، باقی اس کی فرع یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ شریعت میں مقاصد ضروریہ دوسرے دونوں مقاصد کے لئے اصل ہیں۔ اور وہ دونوں ——— حاجی و تحسینی ——— ان کے لئے فرع جس کا معنی یہ ہوا کہ اگر ضروری مقاصد میں اختلال آجائے تو حاجیہ اور تحسینیہ بالکل مختل ہو کر رہ جائیں گے لیکن ان دونوں کے اختلال پذیر ہونے سے مقاصد ضروریہ کا کلی اختلال لازم نہیں آتا۔ ہاں تحسینی میں اگر بالکلیہ خلل پیدا ہو جائے تو حاجیہ میں فی الجملہ اختلال رونما ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مقاصد حاجیہ میں اختلال کلی مقاصد ضروریہ پر فی الجملہ اثر ڈال سکتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حاجی امر، امر ضروری کا خادم ہے اور تحسینی حاجی کا خادم [۵]

نتیجہ اس مختصر بحث کا مطلب یہ ہے کہ تمام احکام کا خلاصہ اور ان کی ترتیب علما نے اصول کے بیان و تحقیق سے معلوم ہو جاتی ہے۔ انہوں نے شریعت کے فروع و اصول کے قطعی ہونے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ یہ اصول ——— جو تمام احکام کا مرجع ہیں ——— سب کے سب قطعی ہیں اور کتاب و سنت کے استقرا سے ثابت ہوتے ہیں اور یہ استقراء تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ جو شئے تواتر معنوی سے ثابت ہو جائے وہ قطعی ہوتی ہے بنابریں جو حکم ان اصول کے مطابق ہوگا وہ قطعی ہوگا جو خلاف ہوگا وہ باطل ہوگا۔ لہٰذا شریعت کے تمام اصول و فروع قطعی ہوئے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شریعت کے اصول و فروع میں غیر چیز کا داخل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ شریعت سے الگ یا اس کے مخالف کوئی امر اسی وقت ہوگا جب ان مقاصد کے خلاف ہوگا اور اس مخالفت کے معلوم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان مقاصد سہ گانہ کو معیار

---

[۵] یہ دقیق علمی مبحث امام ابراہیم شاطبیؒ کی کتاب "الموافقات" (ص ۲۴۰۸ ج ۲) طبع مصر سے ماخوذ ہے اہل علم کو یہ پوری بحث پڑھنی چاہیئے ۱۲

بنا لیا جائے۔ خصوصاً جب محدثین کرامؒ کے ان مجموعوں کو پیش نظر رکھا جائے جن کی احادیث کی صحت پر ائمہ حدیث کا اجماع ہو چکا ہے مثلاً متون صحیحین وغیرہ۔ پس ثابت ہوا کہ دین ——— جو قرآن وحدیث سے عبارت ہے ——— ردوبدل سے محفوظ ہے۔ کیونکہ ان اصول کی روشنی میں جنہیں علمائے اصول نے بیان کیا ہے۔ احادیث کا ضبط وحفظ ضروری تھا۔ ظاہر ہے جب یہ صورتِ حال ہو تو حدیثوں کا یاد رکھنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔

مسائل اجماعیہ واختلافیہ صحابہ وتابعین کے عہد میں اجماعی مسائل قریباً منضبط اور محفوظ ہو چکے تھے۔ اس لیئے ان کے دلائل میں ردّوبدل کا امکان نہیں ہو سکتا تھا۔ رہے مسائل اختلافیہ تو ان کے متعلق غلط استنباط اور خیالی رجحانات کی بنا پر دلائل میں ردّ و بدل کی گنجائش تھی مگر جب فقہ کی بنیاد صحابہ وتابعین کے اقوال وفتاویٰ پر رکھی گئی تو یہ گنجائش بھی جاتی رہی کیونکہ صحابہ وتابعین نے پیش آمدہ مسائل کو نیک نیتی سے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہاں! قابلِ حل کوئی امر اگر ہے تو ترجیح کا سوال ہے لیکن اس کے لیئے محدثین ومجتہدین نے مل کر اتنا مواد جمع کر دیا ہے کہ ایک عالم کے لیئے کسی مسئلے میں امرِ حق معلوم کر لینا کچھ مشکل نہیں۔ پھر جس طرح محدثین نے ہر مسئلہ میں حدیثیں شمار تک کر لیں، اسی طرح ہر مسئلے میں صحابہ وتابعین کے اقوال وفتاویٰ بھی ضبط کر لیے ——— اور اصول فقہ میں ان سب کو موضوع بحث وتحقیق بنا کر ان کی حفاظت کا سامان پیدا کر دیا گیا۔

ائمہ اجتہاد کا اختلاف حدیث کو ماخذ قانون ماننے سے انکار کرنے والا یہ طائفہ، ائمہ کے اختلاف کا باعث (معاذاللہ) حدیث پاک کو قرار دیتا ہے۔ اس لیئے اس پر بھی تھوڑی سی گفتگو کر لینا مناسب ہے۔

واضح ہو کہ بعض مسائل میں ائمہ اجتہاد کا جو اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ کسی دشمن دین نے کوئی بات بنا کر دین میں داخل کر دی ہے بلکہ اس کی اصل وجہ (جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے) چند امور ہیں جن میں سے بعض اہم مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) عدمِ علم یعنی کسی مجتہد کو ایک سنت کا علم ہو گیا مگر دوسرے کو نہ ہو سکا۔ اس وجہ سے اس نے پیش آمدہ مسئلے کے حل کے لیئے "اجتہاد" سے کام لیا اور اتفاقاً ایسا ہو گیا کہ اس اجتہاد

میں خطا ہو گئی۔

(۲) ایک مجتہد کو حدیث تو پہنچی مگر اس کو اس کی صحت کا یقین نہ ہوا کیونکہ اس کے پورے راویوں کے متعلق واقفیت حاصل نہ ہو سکی مگر دوسرے کسی مجتہد کو اس پر واقفیت ہو گئی ــــــ پہلے نے اجتہاد کر لیا، دوسرے نے حدیث پر عمل کیا۔ اس وجہ سے دونوں میں اختلاف ہو گیا۔

(۳) حدیث دونوں کو پہنچی مگر ایک کو حدیث یاد رہی، دوسرے کو ضرورت کے وقت اس سے ذہول ہو گیا۔ اس وجہ سے اس کو پیش آمدہ مسئلہ میں قیاس سے کام لینا پڑا۔

(۴) حکم کی علت میں دونوں مجتہدوں نے مختلف پہلو اختیار کئے ایک نے ایک شے کو علت قرار دیا اور دوسرے نے دوسری علت سمجھی۔

(۵) دو حدیثوں کی تطبیق میں دونوں مجتہدوں نے اختلاف کیا ــــــ وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں اس قسم کی ہیں کہ انسانی کمزوری کی وجہ سے ان کا پیدا ہونا ناگزیر امر ہے ایسا اختلاف اس وقت تک مضر نہیں ہوتا جب تک ایک دوسرے کو معذور سمجھا جائے بلکہ بعض دفعہ اس پہلو سے مفید ہو سکتا ہے کہ بحث و نظر میں مسئلہ نکھر جاتا ہے ــــــ چنانچہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں دونوں مکاتب فکر ــــــ مدنی و کوفی ــــــ کا یہی حال تھا۔ وہ ایک دوسرے کو حق پر سمجھتے۔ قواعد و اصول کی روشنی میں بحث و تمحیص کرتے اور اختلاف میں ایک دوسرے کو معذور قرار دیتے تھے ــــــ اپنی اپنی روش پر دونوں مسلک ترقی کرتے رہے اور اصول فقہ کے فن کو اپنی تحقیقات سے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا ــــــ بلکہ بعض ممکن الوقوع صورتوں پر بھی ــــــ گو ان کا وقوع نہ ہو ــــــ طبع آزمائیاں کی گئیں اور ایسے سوالات وارد کر کے ان کے جوابات دیئے گئے جس سے نہ صرف یہ کہ فقہ کو مکمل کر دیا گیا بلکہ دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیاں بھی ختم ہو گئیں۔ کیونکہ ائمۂ اجتہاد کی مساعی سے کافی حد تک اصول و فروع کی شکل شریعت اور دین میں متعین ہو گئی جس سے صورت اب یہ ہو گئی ہے کہ جو مسائل ان مکاتب فکر کے متفقہ ہیں، ان میں بحث و تفتیش کی زیادہ ضرورت نہیں۔ ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس طرح کے اجماعی مسائل شک و شبہ سے بالا ہیں۔ باقی رہے وہ مسائل جن میں اختلاف ہے اور ائمۂ اجتہاد کی رائیں الگ الگ ہیں۔ تو ان میں امرِ حق و صواب معلوم کرنے کے لیے محدثین کی کتابیں، ان کے بیان کردہ قواعد اور اصولِ فقہ کا فن

ہماری راہ نمائی کے لیے بہت مفید اور نہایت کارآمد ہیں۔ ان کی ہدایات کے مطابق اگر صحیح کوشش کی جائے تو بہت سی موجودہ مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان ہی کی روشنی میں مذاہب اربعہ کو ایک کیا جا سکتا ہے۔

دین کے ڈھانچے میں تبدیلی جائز نہیں استطراداً یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ کتاب و سنت، محدثین اور ائمۂ اجتہاد کی کوششوں سے دین کا ڈھانچہ متعین ہو چکا ہے۔ اس میں اب تبدیلی جائز نہیں ——— اگر اس میں کسی قسم کے رد و بدل کی اب کوشش کی جائے گی تو اس کا نتیجہ یا تو یہ نکلے گا کہ لوگوں کو مذہب ہی سے برگشتہ کر کے دہریہ بنا دیا جائے یا یہ کہ خود ساختہ غلط روش کو قرآن و حدیث کا جامہ پہنایا جائے اور جہاں حدیث پاک ان کا ساتھ نہ دے، وہاں قرآن بیچ میں لا کر حدیث سے انکار کر دیا جائے اور قرآن کو حسبِ منشا موڑ توڑ کر بنا لیا جائے ——— !

خلاصہ مبحث یہ ہے کہ اوپر کے بیان کردہ طریق کو اختیار کرنے میں مستعدی سے کام لیا جائے، تو آئین سازی میں گمراہ کن روش سے بچاؤ ہو سکتا ہے اس لئے کہ دین میں تغیر کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ مسائل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجماعی دوم اختلافی۔ اجماعیات میں تو مذکورہ بالا روش اختیار کرنے کے بعد بحث کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور اختلافی مسائل میں ترجیح کے لیے قواعد مقرر ہو چکے ہیں۔ ان قواعد پر کسی مسئلہ کی ترجیح عمل میں لائی جائے تو کوئی نئی بات نہیں بنتی۔ پس جب تک اختلافی مسائل کے طے کرنے کے لیے جو مبادی متعین ہو چکے ہیں (یعنی احادیث صحیحہ اور اصولِ فقہ) ان پر پوری بصیرت رکھنے والے موجود ہیں۔ کسی دجال کا دجل چل ہی نہیں سکتا ——— اس لیے کہ :-

(ا) مذاہب کی ترتیب تیسری صدی ہجری میں تعیین عمل میں آگئی۔

(ب) فنِ اصول فقہ علمائے امت کی کوششوں سے مکمل ہو چکا ہے۔

(ج) صحیح حدیثیں جو امت کے لیے دستور العمل کا کام دیتی ہیں، وہ بھی اجماع اہلِ فن سے متعین ہو چکی ہیں اب محدثین اور فقہاء کے ان اجماعی احکام میں تبدیلی کی کوئی صورت نہیں۔

(باقی)